مستنصر حسین تارڑ کی غیر افسانوی نثر

عاصم علی
پی ایچ ڈی سکالر (اردو)
ادارہ زبان و ادبیات اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

NON FICTION PROSE OF MUSTANSAR HUSAIN TARAR

Asim Ali
PhD Scholar (Urdu)
Institute of Urdu Language and Literature
University of the Punjab, Lahore

Abstract

Mustansar Husain Tarar is a renowned name of contemporary Urdu literature. He is famous for travelogue writing and is one of the most leading writers of Pakistan. He is not only a travelogue writer but also a novelist, fictionist, dramatist and columnist. Indeed, he is a prolific writer with deep interest in history. He aptly employs his history knowledge while penning his writings especially travelogues. He is equally liked home and abroad. Some of his work has been included in syllabus of Russian university. This article focuses non-fiction work of Mustansar Husain Tarar.

Keywords:

علامہ اقبال، مستنصر حسین تارڑ، اندلس، افسانوی نثر، داستان، ناول، شاعر

نثر کو عام طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے: افسانوی نثر اور غیر افسانوی نثر۔ افسانوی نثر میں تخلیق کار زندگی کے حقائق، مسائل، مشاہدات اور محسوسات کو بیان کرنے لیے کہانی کا سہارا لیتا ہے۔ ایسی تحریرین غیر افسانوی کہلائیں گی جن میں سوانحی اور تنقیدی عنصر موجود ہو نیز ان کی بنیاد حقائق اور معلومات پر ہو اور ان کا تعلق نہ بہت سائنسی ہو اور نہ جمالیاتی۔ ہمارے یہاں سوانح عمری، سفر نامے، خود نوشت، مکتوبات، روزنامچے، ڈائری، خاکے، تنقید و تحقیق وغیرہ غیر افسانوی نثر کہلاتی ہیں۔(۱) جب کہ افسانوی نثر میں داستان، ناول، افسانہ، ڈراما اور ناولٹ شامل ہیں۔ ڈاکٹر عطیہ رئیس ''غیر افسانوی اردو نثر: آزادی کے بعد'' میں غیر افسانوی نثر کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کرتی ہیں:

> ''غیر افسانوی نثر اظہار اور ابلاغ کا بہترین وسیلہ ہے۔ غیر افسانوی سلیس نثر نے سماجی ترسیل میں بہت مدد کی ہے۔ تقسیم ملک کے وقت شعوری اور ذہنی کش مکش کو الفاظ اور خیالات کے ذریعے عام کرنے میں صرف غیر افسانوی نثری تحریریں ہی کارآمد ثابت ہوئیں۔''(۲)

اردو ادب کی خوش قسمتی رہی ہے کہ اسے روزِ اوّل سے ہی ایسے ادیب، شاعر، محقق، نقاد، مترجم، افسانہ نگار، ناول نگار، سفر نامہ نگار اور کالم نویس میسر رہے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کے شب و روز اس کی خدمت کے لیے وقف کر دیے۔ مستنصر حسین تارڑ کا شمار بھی انھی ادیبوں میں ہوتا ہے جنھوں نے افسانوی و غیر افسانوی نثر میں طبع آزمائی کی اور اسے بامِ عروج پر پہنچایا۔ مستنصر حسین تارڑ کی غیر افسانوی نثر کی مقدار افسانوی نثر سے زیادہ ہے۔ وہ ممتاز سفر نامہ نگار، بلند پایہ کالم نویس، منفرد مزاح نگار، باکمال ڈراما و افسانہ نگار، مقبول خاکہ نگار اور مستند ناول نگار ہیں۔

مستنصر اردو ادب کے صفِ اوّل کے ادیب ہیں۔ وہ پچھلے ۳۵ سال سے پاکستان کے سب سے زیادہ پڑھے جانے والے مصنف ہیں۔ ان کی تخلیقات کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔ وہ ایک ہمہ جہت تخلیق کار ہیں۔ انھوں نے غیر افسانوی و افسانوی صنف ادب میں طبع آزمائی کی اور کام یابی کے جھنڈے گاڑے۔ انھوں نے ادب میں اپنی الگ راہ نکالی جس پر وہ آج بھی قائم ہیں۔ وہ منصوبہ بند ادیب نہیں ہیں۔ قدرت نے ان کی شخصیت میں سیاحت دوستی رکھی ہے جس کی تسکین کے لیے انھوں نے مختلف علاقوں اور ملکوں کی سیر کی۔ ان کا تخلیق کردہ ادب اتنا جان دار ہے کہ اس نے اردو ادب پر اپنے گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔ ان کی تخلیقات زندگی کا ہر رنگ لیے ہوئے ہیں۔ تخلیقی سفر کا آغاز کیسے ہوا؟ اس سوال کے جواب میں ان کا کہنا ہے:

''میں ہمیشہ یہی کہتا ہوں کہ میں کوئی منصوبہ بند ادیب نہیں ہوں، بل کہ میں ایک حادثاتی ادیب ہوں اور حادثاتی طور پر ہی ٹیلی ویژن پر آیا۔ آپ نے اکثر لوگوں سے سنا ہو گا کہ مجھے بچپن ہی سے شوق تھا کہ میں بڑا ہو کر یہ کام کروں گا یا ادیب بنوں گا۔ لیکن مجھے بچپن سے کسی چیز کا شوق نہیں تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میں پڑھتا لکھتا بہت تھا، آوارگی بہت تھی، لیکن محض یہ ایک حادثہ تھا جو پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ ۵۸۔۱۹۵۷ء میں، میں انگلینڈ میں تھا۔ وہاں سے مجھے برطانوی وفد کے ہم راہ سوویت یونین جانے کا موقع ملا، جو ان دنوں آئرن کرٹن تھا اور آئرن کرٹن کے پار کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ ہم پہلے پاکستانی تھے جو آئرن کرٹن کے پار گئے۔ جسٹس سعید حسن میرے ساتھ تھے۔ سوویت یونین سے واپسی پر ہماری ملاقات مجید نظامی صاحب سے ہوئی جو بہ طور نوجوان صحافی ان دنوں برطانیہ میں مقیم تھے۔ انھوں نے مجھ سے درخواست کی کہ آپ اُن چند لوگوں میں سے ہیں جو اس پار (سوویت یونین) گئے ہیں۔ کیا آپ اس کا سفر نامہ لکھ سکتے ہیں؟ تو میں نے اس سے کہا کہ مجھے لکھنے کا کوئی تجربہ نہیں، ہاں پڑھنے کا تھا۔ انھوں نے کہا کہ آپ اس کا سفر نامہ لکھیں باقی ہم کر لیں گے۔ میں نے یہ سفر نامہ ''لنڈن سے ماسکو تک'' کے عنوان سے لکھا۔ یہ سفر نامہ ''قندیل'' میں شایع ہوا جو ایک بہت موثر ہفت روزہ ہوتا تھا۔ شیر محمد اختر اس کے ایڈیٹر تھے تو انھوں نے اسے شایع کیا۔ یہ میرے لکھنے کی شروعات تھی۔ اس کے بعد ۱۹۶۹ء میں میری پہلی کتاب آئی ''نکلے تیری تلاش میں''۔ (۳)

''لنڈن سے ماسکو تک'' سے مستنصر حسین تارڑ نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز کیا۔ ان کا یہ سفر یہاں تک ہی محدود نہیں رہا۔ سفر نامے کے ساتھ ساتھ انھوں نے مزاح نگاری، مکتوب نویسی اور کالم نویسی میں بھی طبع آزمائی کی۔ وہ بنیادی طور پر ایک سیاح ہیں۔ انھوں نے سفر نامے کے میدان میں اپنے فن کا لوہا منوایا اور ایک درخشندہ ستارے کی مانند اپنی چمک دمک قائم رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے سفر نامے سب سے زیادہ پڑھے جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے قارئین کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ انھوں نے اپنے قارئین کے لیے بے مثال سفر نامے پیش کیے ہیں۔ ۵۸۔۱۹۵۷ء میں شروع ہونے والا یہ سفر تا حال جاری و ساری ہے۔ انھوں نے مشرق و مغرب کے سفر کیے، حج کا مذہبی فریضہ ادا کرنے کے لیے رخت سفر باندھا، سیاحت کی غرض سے شمالی علاقہ جات کا رخ کیا۔ وہ تمام سفر جو انھوں نے اختیار کیے ان کی روداد وہ اپنے قارئین کے لیے پیش کرتے رہے ہیں، جس میں قاری کی دل چسپی کا سامان موجود ہے اور وہ اس کے ساتھ محو سفر رہتا ہے۔ مستنصر کا اسلوب نگارش سادگی کے ساتھ اپنے اندر سحر انگیزی کی ایسی کیفیت رکھتا ہے کہ قاری ان کے اسلوب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

''نکلے تیری تلاش میں'' مستنصر کا پہلا باقاعدہ سفر نامہ ہے۔ یہ سفر نامہ ۱۹۷۱ء میں پہلی بار کتابی شکل میں شایع ہوا۔ اب تک اس سفر نامے کے پچیس ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں جو اس کی کام یابی کا ثبوت ہیں۔ وہ ۱۹۶۹ء میں اپنی آوارگی کے ہاتھوں مجبور سڑک کے راستے سترہ ممالک کی سیر کو نکل کھڑے ہوئے اور کوئی چھ ماہ کی سیاحت کے بعد گھر لوٹے۔ ایک دن ارادہ کیا کہ کیوں نہ اپنے سفر کی روداد لکھوں۔ انھوں نے بازار سے چند رجسٹر خریدے اور لکھنا شروع کر دیا یہاں تک کہ تمام رجسٹر بھر گئے۔ انھیں تاریخ سے بہت دل چسپی رہی ہے یہی وجہ ہے کہ انھوں نے دوران سفر حاصل ہونے والی تاریخی و جغرافیائی معلومات کو ڈائریوں میں محفوظ کر لیا تھا۔ جب بہت کچھ لکھ چکے تو دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس کو شایع کرایا جائے۔ تلمیذ حقانی کے توسط سے ان کی ملاقات ''سیارہ ڈائجسٹ'' کے مقبول جہانگیر سے ہوئی۔ یوں ان کا پہلا سفر نامہ ''نکلے تیری تلاش میں'' قسط وار چھپنا شروع ہوا۔ جب یہ کتابی شکل میں شایع ہوا تو اسے بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ وہ شفیق الرحمن کی ''برساتی'' سے بہت زیادہ متاثر ہیں اور اسے اپنے سفر نامے کی ماں قرار دیتے ہیں۔ اس سفر نامے کا عنوان انھوں نے علامہ اقبال کی نظم ''ذوق و شوق'' کے مصرعے پر رکھا۔ مستنصر حسین تارڑ ''نکلے تیری تلاش میں'' کے عنوان کے حوالے سے کہتے ہیں:

''میری پہلی کتاب کا عنوان 'نکلے تیری تلاش میں' علامہ اقبال کے شعر ''نکلے تیری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ بو'' سے مستعار شدہ ہے۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یہ میری زندگی کا منشور بن جائے گا۔ تلاش میں کون نہیں ہوتا، تلاش کس کو نہیں ہوتی اور تلاش ہوتی ہی ایسی ہے جو کبھی مکمل نہیں ہوتی۔ تلاش ہوتی ہی جدائی کی کسک ہے، ایک دوری کا سپنا، ایک خواب ہے، ایک سیراب، ایک بے انت صحرا ہے جس میں دور دور تک شائبے ہیں لیکن حقیقت میں کچھ نہیں ہے۔ آپ اس سیراب کے پیچھے، اس شائبے کے پیچھے ساری عمر گزار دیتے ہیں اور کبھی بھی یہ تلاش مکمل نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ اگر وہ تلاش مکمل ہو جائے تو وہ تلاش نہیں رہتی وہ کاروبار بن جاتا ہے۔ چناں چہ یہ تلاش جو میری آوارگیوں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے، ان چہروں میں بھی دیکھی جا سکتی ہے جو میرے سامنے آئے اور ان پرانی عمارتوں میں بھی۔ چناں چہ وہ تلاش جاری و ساری ہے۔''(۴)

''نکلے تیری تلاش میں'' ایک طویل سفر کی داستان ہے جس نے شایع ہوتے ہی ادبی دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ یہ ۲۸ مضامین اور ۳۶۵ صفحات پر مشتمل سفر نامہ ہے جس میں مغربی تہذیب و تمدن کی

رنگینیوں کو زندگی سے جوڑ کر پیش کیا گیا ہے۔ماسکو یونیورسٹی نے اس کا ایک مضمون ''اپاہج وینس'' کو اپنے نصاب میں شام کیا جس سے اس کی مقبولیت میں مزید اضافہ ہوا۔ مستنصر اس سفر نامے کی کامیابی کے بارے میں ویب سائٹ ''ہم سب'' میں شایع ہونے والے مقالے میں لکھتے ہیں:

''بے شک میری پہلی کتاب پہلا سفر نامہ ''نکلے تیری تلاش میں'' تھا جس نے غیر متوقع طور پر مجھے حیران اور بے یقین کرتے ہوئے میرے لیے ادب میں کامیابی کے سب دروازے کھول دیے۔ بیسٹ سیلر ہونے کے علاوہ جب آج تقریباً نصف صدی پیش تر یہ سفر نامہ ماسکو یونیورسٹی کی پروفیسر گالینا ڈشنکو نے یونیورسٹی کے اردو نصاب میں شامل کیا تو ادب کے وہ دروازے بھی کھل گئے جو کم کم ہی کھلتے تھے۔ جن کی چوکھٹوں پر مجھ سے کہیں بڑھ کر باصلاحیت اور تخلیقی ادیب پڑے ہوئے تھے اور ان کے لیے یہ دروازے نہ کھلے۔ میری صلاحیت ابتدائی تھی اور تخلیقی جوہر معمولی تھا لیکن نصیب کے منہ زور گھوڑے نے میرا چناؤ کر لیا۔ میں آج بھی کہتا ہوں کہ میں ایک عظیم ادیب نہیں ہوں ایک خوش نصیب ادیب ہوں۔''(۵)

''اندلس میں اجنبی'' مستنصر کا دوسرا سفر نامہ ہے جو ۱۹۷۵ء میں پہلی بار شایع ہوا۔ ''نکلے تیری تلاش میں'' کی طرح اس سفر نامے کو بھی قارئین نے بے حد پسند کیا۔اس کے بیس سے زائد ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں۔اندلس اپنی تاریخی و ثقافتی حیثیت کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے ہمیشہ بہت اہم رہا ہے۔ مسلمانوں کے اسی لگاؤ کی وجہ سے مستنصر کا موضوع سخن بنا کیوں کہ وہ خود بھی تاریخ سے دل چسپی رکھتے ہیں۔اندلس کی باقاعدہ تاریخ سب سے پہلے اس سفر نامے میں مستنصر نے پیش کی۔ یہ سفر نامہ بیانیہ اسلوب میں لکھا گیا ہے جس میں ۲۴ مضامین ہیں اور یہ ۳۰۴ صفحات پر محیط ہے۔ یہ سفر نامے کی صنف کو نئی جہات عطا کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوا ہے۔اس سفر نامے نے ایک نئی روایت قائم کی۔ تارڑ نے اہم تاریخی واقعات کو جس طرح پیش کیا ہے،اس نے قارئین کو اپنے سحر میں مبتلا کر لیا ہے وہ خود کو اسی ماحول میں پاتے ہیں۔ ان تمام تاریخی واقعات کی جمع آوری اور اس سفر نامے پر ہونے والی محنت میں تلمیذ حقانی، شفیق الرحمن اور نذیر صاحب ان کے معاون و مددگار رہے وہ اس بارے میں ویب سائٹ ''ہم سب'' کے مقالہ میں مزید لکھتے ہیں:

''خانہ بدوش کی بھی پذیرائی بہت ہوئی کہ اس میں بیروت کی خانہ جنگی کے قصے تھے اور دمشق کی گلیوں کی داستانیں تھیں۔ روم، وینس اور فلارنس ایسے شہروں کے تذکرے تھے لیکن جس سفر نامے

نے مجھے شہرت کے علاوہ تعظیم دی، توقیر بخشی اور میری جان لیوا تاریخی تحقیق کی ستائش کی گئی وہ ''اندلس میں اجنبی'' تھا۔ میں نے وہ سب کتابیں، مخطوطے اور مسودات پڑھ ڈالے جن میں ہسپانیہ اور اندلس کا تفصیلی یا سرسری تذکرہ تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ پنجاب پبلک لائبریری کے مجھ پر مہربان انچارج نذیر صاحب ابھی حیات ہیں یا نہیں اگر کہیں ہیں تو وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ کیسے میں نے اس لائبریری کا ذخیرہ کتب کھنگال ڈالا۔ کیسے اس کے زیریں حصے تہ خانے میں ناکافی روشنی میں، میں پہروں نایاب کتب اور تاریخی دستاویزات پر جھکا رہتا تھا اور نذیر صاحب لائبریری کے شیلفوں میں دھول جمع کرتی پرانی کتابیں تلاش کر کے میرے برابر ڈھیر کرتے جاتے۔ ان میں سے بعض کے ورق بہت احتیاط سے اور سانس روک کر بھی پلٹتا تو وہ اتنے خستہ ہو چکے ہوتے کہ بھرنے لگتے۔ دن کے وقت تلمیذ حقانی جو اندلس کے عشق میں فنا تھے، میری معاونت کرتے۔ میں نے بہت زمانے پنجاب پبلک لائبریری کے اس زیریں حصے میں بسر کیے۔ وہ کتابیں اور مخطوطے جو میرے زیر مطالعہ رہے ان میں سے بہت سے میں بھول چکا اور جو یاد ہیں ان کے تذکرے کے لیے کئی کالم درکار ہیں۔ مختصر یہ کہ مغرب کے جیمز مشنر کی ''آئی بیریا'' ہیمنگوے کی ''ڈیتھ ان دی آفٹر نون'' سٹینلے لین پول کی ''مورز ان سپین'' واشنگٹن ارونگ کی ''ٹیلز آف الحمرا'' وغیرہ میرے لیے بہت معاون ثابت ہوئیں اور کیا آپ جانتے ہیں کہ میرے دوست اور دل پسند مصنف شفیق الرحمن نے مجھے ''ٹیلز آف الحمرا'' کا قلمی تصویروں سے مزین ایک قدیم نسخہ تحفے میں عطا کیا تھا۔ اپنے دستخط کے ساتھ۔''(۶)

یہ سفر نامہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں مستنصر کا فنی ارتقا بہ تدریج نظر آتا ہے۔ وہ مقامات و شخصیات جو ان کے پیش پیش رہیں ان کی روداد کو انھوں نے اپنی تحریر کے ذریعے پر کشش اور لازوال بنا دیا ہے۔

سفر نامہ ''خانہ بدوش'' ان کی اگلی منزل ہے جو انھوں نے ۱۹۷۸ء میں سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور سے شایع کیا۔ ان کی تمام تصنیفات سنگ میل پبلی کیشنز سے شایع ہوتی رہیں اور تاحال یہیں سے شایع ہو رہی ہیں۔ یہ سفر نامہ ۲۷ مضامین اور ۴۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس سفر نامے میں انھوں نے مشرقی اور مغربی تہذیب و ثقافت کو ایک ساتھ بیان کیا ہے۔ آج کا قاری اس دور کی مشرقی تہذیب و ثقافت سے نہ صرف واقفیت حاصل کرتا ہے بالکل وہ اپنی تہذیب و ثقافت پر فخر بھی محسوس کرتا ہے۔

مستنصر نے گورنمنٹ کالج میں قدم رکھتے ہی ''رتی گلی پیک'' سر کرڈالی تھی لیکن انھوں نے اپنے اس سفر کو تحریری شکل نہیں دی۔ پاکستان کے سفر کی داستان جو سب سے پہلے شایع ہو کر قارئین تک پہنچی وہ ''ہنزہ داستان'' ہے جو ۱۹۸۵ء میں شایع ہو کر منظر عام پر آئی۔ یہ سفر نامہ شمالی علاقہ جات کے سفر ناموں کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ یہ سفر نامہ ۲۰ عنوانات پر مشتمل ہے۔ اس سفر نامے کے ذریعے انھوں نے اپنے پیارے ملک سے لگاؤ اور فطری دل چسپی کا ثبوت دیا ہے۔ ڈاکٹر سلمیٰ کشمیری اس سفر نامے کے حوالے سے لکھتی ہیں:

> ''یہ سفر نامہ موضوعات کے تنوع کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ فنی حوالے سے بھی انفرادیت رکھتا ہے۔ اس سفر نامے میں حقیقت کا غلبہ ہے جس نے سفر نامے کی صداقت کو ناقابل یقین بنا دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس سفر نامے پر ایک سچی آپ بیتی ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے۔ مستنصر نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ انسان تو زوال پذیر ہو سکتا ہے لیکن فطرت ہمیشہ اپنا سحر قائم رکھتی ہے۔ یہ بیانیہ انداز میں لکھا گیا ہے۔۔۔ اس سفر نامے میں مقامی رسم و رواج، رہن سہن اور معاشرے کی عکاسی ملتی ہے۔ تہذیب و تمدن سے دل چسپی اور انتہائی توجہ سے بیان کیا گیا یہ سفر نامہ نہ صرف اندرون ملک بل کہ بیرون ملک پڑھنے والوں کے لیے خاص کشش رکھتا ہے۔ مستنصر نے ہنزہ داستان کو نہایت عمدہ اسلوب میں پیش کیا ہے۔ ان کا اسلوب اس لیے بھی قابل توجہ ہے کہ وہ الفاظ کی چاشنی اور حقیقت کے رنگ کو تکنیک کے طور پر استعمال کرتے ہیں جو ان کا خاص حربہ ہے۔''(۷)

مستنصر نے بہت جلد بہ طور سفر نامہ نگار اپنا مقام بنا لیا۔ ان کے سفر نامے ہاتھوں ہاتھ فروخت ہونے لگے۔ انھیں جدید سفر نامہ نگاری کا بانی قرار دیا جانے لگا۔ ان کی سفر نامہ نگاری اور مقبولیت کے حوالے سے فرزانہ سید نے ''نقوش ادب'' میں لکھا:

''مستنصر حسین تارڑ کو جدید سفر نامہ نگاری کا بانی کہا جاتا ہے۔ ان کا پہلا سفر نامہ ''نکلے تیری تلاش میں'' ۱۹۷۰ء کے لگ بھگ شایع ہوا اور اتنا مقبول ہوا کہ اس سے سفر نامہ لکھنے والوں کو نئے راستے ملے اسی دور میں اس بحث کا آغاز ہوا کہ کیا مستنصر حسین تارڑ کے سفر نامے اردو افسانے کی جگہ لے رہے ہیں۔ ان کا سفر نامہ ''اندلس میں اجنبی'' تاریخ، ذات اور سفر کا ایک ایسا دل آویز موزیک تھا کہ اس نے ایک پوری نسل کو متاثر کیا۔ ''خانہ بدوش'' شاید ان کا ایک اہم ترین سفر نامہ ہے، جس میں جلال اور

ملال کی مختلف پرچھائیاں نظر آتی ہیں۔ان کا تازہ (اس وقت کا) سفر نامہ ''ہنزہ داستان'' اپنے ہی وطن کے بارے میں ہے اور بے حد مقبول ہو رہا ہے۔ مستنصر حسین تارڑ نے جس طرح تاریخ، جغرافیہ، ثقافت، قدیم تہذیبوں، فن تعمیر اور رسم رواج کو اپنے سفر ناموں میں سمویا ہے اسی طرح اگر وہ ان علوم کے بارے میں الگ الگ نظریات پیش کرتے تو وہ شاید ایک محقق اور عالم کی حیثیت سے جانے جاتے۔''(۸)

شمالی علاقوں کے سفر کی دوسری داستان ''سفر شمال کے'' عنوان سے ۱۹۸۷ء میں شایع ہوا۔ سفر نامہ دو حصوں پہلا ''سفر سوات کا'' اور دوسرا ''سفر خنجراب کا'' اور ۲۳۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ ان کا یہ سفر پندرہ دن اور راتوں پر محیط ہے جس میں ان کے ہم سفر ان کی اہلیہ اور بچے (سلجوق، سمیر اور قرۃ العین) تھے۔اس علاقے کے اکثر مقامات ایسے ہیں جن کو انھوں نے '' ہنزہ داستان'' میں پہلے بھی بیان کیا ہے۔تارڑ کو تاریخ سے خاصی دل چسپی ہے جس کا ثبوت ''اندلس میں اجنبی'' ہے جس کے لیے انھوں نے ان تمام تاریخی دستاویزات کا مطالعہ کیا جو اندلس سے متعلق تھیں۔تاریخی دل چسپی اور لگاؤ بس یہی تک محدود نہیں رہتا وہ جس مقام پر بھی جاتے ہیں اس کی تاریخ ان کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔وہ اپنے قاری کے لیے منظر نگاری اپنے منفرد اسلوب میں کرتے ہیں کہ سارا منظر قاری کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے اور وہ ان کا ہم سفر بن کر ساتھ ساتھ چل دیتا ہے۔اس بات کا اندازہ ان کے سفر نامے ''سفر شمال کے'' کے اقتباسات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے:

''میرے سامنے فن گندھارا کا جو نمونہ ہے وہ اس عظیم سٹوپا کا ایک حصہ تھا جس میں مہاتما کی خاک دفن کی گئی تھی۔۔۔سٹوپا کو بدھ کی قبر بھی کہا جاتا ہے اس کے علاوہ بدھ کے پیروکاروں اور بزرگ ہستیوں کو بھی سٹوپوں میں دفن کیا جاتا اور فاہیان نے ایک ایسے سٹوپے کا ذکر کیا ہے جو مہاتما کے کشکول کے اوپر بنایا گیا تھا۔شکرانے کے طور پر امیر شخص بھی سٹوپے بنواتے تھے۔۔۔زائرین سٹوپے کے گرد طواف کرتے تھے اور اس کے ساتھ سٹوپے کی گولائی پر نظریں جمائے اس پر آویزاں ان مجسموں کو دیکھتے جاتے تھے جن میں مہاتما بدھ کی زندگی کے مختلف ادوار بیان کیے جاتے تھے، یہ سٹوپے مہاتما بدھ کی زندگی کے بارے میں ایک پتھریلی کتاب تھے۔''(۹)

درج بالا اقتباس سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان مقامات کی تاریخ سے کس قدر دل چسپی رکھتے ہیں۔وہ ایک عام آوارہ گرد کی طرح صرف مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے نہیں گزرتے بل کہ وہ اپنے قاری کو ان مقامات کی تاریخ سے مکمل آگاہی فراہم کرتے ہیں۔ڈاکٹر عظمیٰ اختر اس سفر نامے کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''وادی سوات و خنجراب کے سفر پر مشتمل یہ ایک سادہ اور عام فہم سفر نامہ ہے جس میں تارڑ مع اپنے اہل خانہ موجود ہیں۔اس سفر نامے کی خاص بات جو اسے تارڑ کے دیگر سفر ناموں سے ممتاز کرتی ہے وہ اس میں داستان گوئی کا عنصر شامل نہ ہونا ہے۔اسے ہم خالصتاً سفر نامہ یا سفری روداد کہہ سکتے ہیں۔نسبتاًان سفر ناموں کے جس میں مصنف داستان کا سا انداز اپناتے ہیں اور تخیل کا زور شامل رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ناول اور سفر نامے کے درمیان فرق مٹتا نظر آتا ہے۔تارڑ کی تحریروں کا ایک خاص وصف جزئیات نگاری ہے۔معمولی اور کم اہم اشیا،منظر بھی تارڑ کی نظروں کی گرفت سے باہر نہیں ہو سکتے۔اس سفر نامے میں تاریخی حوالوں کا بھی بیان ہے۔گو کہ یہ ایک سادہ عام فہم سفر نامہ ہے لیکن اس میں زبان کے چٹخارے نے دل چسپی پیدا کر دی ہے اور شمالی علاقوں کے انسائیکلوپیڈیا کہلانے والے تارڑ نے وادی سوات پر قلم اٹھا کر اس کا حق ادا کر دیا ہے۔''(۱۰)

''نانگا پربت(بلتستان داستان)'' کے عنوان سے شمالی علاقہ جات کے سفر کی داستان ہے جو ۱۹۹۱ء میں شایع ہوئی۔اس کتاب میں انھوں نے تین سفروں کو یک جا کر کے پیش کیا ہے۔یہ تین حصے 'پہلا سفر'' بارہ عنوانات پر ''دوسرا سفر'' پندرہ عنوانات اور ''تیسرا سفر''تین عنوانات پر مشتمل ہے اور یہ داستانِ سفر کل ۴۱۶ صفحات کو محیط ہے۔اس سفر نامے کو اکادمی ادبیات پاکستان کی جانب سے ادب کی بہترین کتاب کے بابائے اردو''مولوی عبدالحق ایوارڈ'' سے نوازا گیا۔نانگا پربت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے عظمیٰ اختر لکھتی ہیں:

''کوہ پیمائی محض شوق کے بل بوتے پر نہیں کی جا سکتی اس کے لیے بلند حوصلے،استقلال اور جرات کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔برفیلی نوکیلی چٹانیں ہر اگلا قدم اٹھانے سے نہ صرف روکتی ہیں بل کہ موت وحیات کی کش مکش جیسے معرکوں سے بھی نبرد آزما کراتی ہیں۔بلند پہاڑوں میں پوشیدہ موت کے جنگل،انسانی حوصلوں کا آخری حد تک امتحان لیتے ہیں۔حوصلے،جرات اور جذبے کے باوجود کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسانی جسم ساتھ چلنے سے انکار کر دیتا ہے اور اس سب کے باوجود جب موت سے فلرٹ کرتے یہ قدم کسی پہاڑ کی بلند ترین چوٹی کو سر کرتے ہیں اس کے کنوارپن کو ختم کرنے میں کام یاب ہو جاتے ہیں تو اس لمحہ وہ ساری خطرناکیاں جو دوران سفر پیش آئیں یک دم معمولی لگنے لگتی ہیں۔بلندیوں کی فضا میں سانس لیتے جسم نئی تازگی سے ہم کنار ہوتے ہیں اور فطرت کے پر کیف تجربے سے مخمور ہونے لگتے ہیں۔ماحول کی اسی کیفیات اور احساسات کو کینوس کیا ہے مصنف نے نانگا پربت میں جس کے ہر زاویے

میں زندگی کے گُر ملتے ہیں،تارڑاپنے قلم کے زور سے قاری کواپنے زاویہ نظر سے دیکھنے پر مجبور کر دیتے ہیں اور قاری مصنف ہی کے خیال سے سوچنے لگتا ہے۔ نانگا پربت،تارڑ کی فنی خوبی کا مظہر ہے۔"(۱۱)

کے ٹو دنیا کی بلند ترین چوٹیوں میں سے ایک ہے۔ چند ہی خوش نصیب لوگ اس بلند مقام تک پہنچ سکے ہیں۔ مستنصر بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جنھوں نے کے ٹو کا سفر کیا۔ان کا یہ سفر ''کے ٹو کہانی'' کے نام سے ۱۹۹۳ء میں شایع ہوا۔یہ ۴۳ عنوانات کے تحت لکھا گیا ہے جو ۴۲۹ صفحات پر مشتمل ضخیم سفر نامہ ہے۔اس سفر نامے کی تقریب رونمائی انھوں نے کے ٹو کی چوٹی پر جہاز میں کی۔ عظمیٰ اختر ''کے ٹو کہانی ''سفر نامے پر اپنے خیالات کا اظہار یوں کرتی ہیں:

''یہ ایک ایسے ہوائی سفر کی روداد ہے جس کی منزل دنیا کی پانچ بلند ترین چوٹیوں میں سے ایک عظیم الشان چوٹی ''کے ٹو'' ہے۔وہ دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی کہلاتی ہے۔ مقامی لوگ جسے ''شاہ گوری'' یعنی بڑا پہاڑ کہتے ہیں۔ اس سفر نامے میں تارڑ ایک ایسے آوارہ گرد کے روپ میں نظر آتے ہیں جو شاہ گوری کی قربت کے لیے بے قرار ہے وہ اپنے خواب وخیال کے راستے کئی بار پہاڑوں کے دیوتا کے دیس میں خود کو چونخو لیزا،گشا برم،مشابرم،ماربل پیک، گولڈن تھرون، کرسٹل پیک کے درمیان پاتا ہے۔ دریائے برالڈو سے ہم کلام ہوتا ہے اور اپنے خواب کی تعبیر ڈھونڈنے وہ اپنی کوپیا ٹیم کے ہم راہ اس مشکل ترین ٹریک پر سفر کرتے ہیں۔ایک پہاڑ سے متعلق انسان کتنا لکھ سکتا ہے۔ سیکڑوں جملے، چند عبارتیں یا پھر کچھ صفحات لیکن اس طویل ترین پہاڑی سلسلے کے بیان میں مصنف نے اپنی ذہنی وسعت اور الفاظ کے ذخیرے کا بین ثبوت پیش کیا ہے۔مناظر کے بیان میں کہیں بھی یکسانیت کا شائبہ نہیں ملتا۔ ہر منظر،ہر رنگ جداگانہ ہے۔ خارج اور داخل کے امتزاج سے بھر پور یہ سفر نامہ قاری کو بھی اپنے ساتھ ساتھ قدم ملا کر چلاتا ہے اور قاری بھی مہم جو کی طرح بھر پور لطف اندوز ہوتا ہے جو تارڑ کے قلم کی منفرد خوبی ہے۔"(۱۲)

''چترال داستان''۱۹۹۴ء میں شایع ہوا اور یہ ۲۴۹ صفحات پر مشتمل بیانیہ انداز میں تحریر کیا گیا سفر نامہ ہے۔اس سفر نامے میں تہذیب اور کلچر کی داستان دل کش اور عام فہم انداز میں بیان کی گئی ہے۔اس سفر نامے میں چترال، کافرستان، گلگت،وادی گوپس،شیندور اور وادی بھنڈر کی روداد قلم بند کی گئی ہے۔اس سفر نامے کو بھی تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ سفر نامے کے آخری حصے میں ڈرامے کی تکنیک کا عنصر غالب نظر آتا ہے کیوں کہ اس میں سٹیج ڈرامے کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔

''یاک سرائے'' یہ سفر نامہ ۱۹۹۷ء میں شایع ہوااور یہ ۴۴ عنوانات کے تحت ۴۴۸ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ موت ایک اٹل حقیقت ہے جو ہر وقت انسان کا پیچھا کرتی رہتی ہے۔اس سفر نامے میں انھوں نے موت کو علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔اس میں موت کی پرچھائی نظر آتی ہے اور مایوسی کا ایک عنصر دکھائی دیتا ہے۔ موت کے حوالے سے ''یاک سرائے'' کا یہ اقتباس دیکھیے:

''وادی اشکومن کی آخری حدوں پر۔۔ور گوتھ گلیشئر کے قدموں میں۔۔میں موت کے ساتھ ہر گز فلرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا کیوں کہ میں جانتا تھا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو وہ مجھ پر نثار ہو جائے گی۔ مجھے آغوش میں لے لے گی۔۔۔فلرٹیشن کی حد سے آگے وہ صرف میرے ایک اشارے یا ایک قدم کی منتظر تھی۔۔۔موت کی قربت میں مختلف رد عمل اور خیال ہوتے ہیں۔شاید کہیں ایک بے بس اطمینان یہ بھی ہوتا ہے کہ بعد میں آپ کے پیارے اور عزیز آپ کو دیکھیں گے اور مٹی کا ایک ڈھیر نشان ہو گا۔۔۔لیکن یہاں کسی نشانی کا۔۔کسی قبرستان میں ہر جمعرات اگربتیاں سلگانے کا کوئی موہوم سا امکان بھی نہ تھا کہ دریائے شین میں گرنے کے بعد۔۔۔آپ کائنات کا ایک حصہ بن جاتے تھے، کوئی نشان باقی نہ رہتا تھا۔''(۱۳)

یاک سرائے مستنصر کا سب سے منفرد سفر نامہ ہے جس میں موت علامت کے طور پر ہم سفر رہتی ہے۔اس سفر نامے کے اسلوب پر بات کرتے ہوئے ڈاکٹر عظمیٰ اختر لکھتی ہیں:

''یاک سرائے ایک ایسے گلیشئر کی جانب سفر کی روداد ہے جسے کلر گلیشئر کا نام دیا گیا ہے۔ کردمبر جھیل، وادی اشکومن سے پرے ایک وادی سوہنج نام کی ہے جس کے بعد وادی کردمبر آتی ہے جو پامیر کے دامن میں افغانستان کی واخان سرائے کی قربت میں ہے جہاں ''یاک'' پائے جاتے ہیں اور یاکوں کے اس واخان تک پہنچنے کی داستان اس سفر نامے کا موضوع ہے اور اس میں ایک خطرناک ترین مہم کی ساری دل چسپی موجود ہے جو نانگا پربت، کے ٹو کہانی مہم سے بھی پر خطر ہے۔ موت اور زندگی کے درمیان کش مکش کو بڑی خوب صورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ اس سفر نامے میں تارڑ نے اپنے پچھلے سفر ناموں یعنی ہنزہ داستان، نانگا پربت، کے ٹو کہانی کے حوالے بھی تفصیلاً شامل کیے ہیں جس سے محض سفر نامے کی ضخامت میں اضافہ مقصود نظر آتا ہے۔اپنی روایت کے مطابق اس سفر نامے میں بھی افسانہ پن کی کیفیت غالب ہے۔ البتہ سفر نامے کی ابتدا میں داغستان کے مشہور ادیب، شاعر رسول حمزہ توف کی نظم اور اس کے پس منظر میں اپنی کیفیات کا اظہار بہت خوب ہے۔ غرض کہ انداز تحریر، واقعات کے

بیان، منظر کی عکاسی اور تخیل کی آمیزش اس سفر نامے میں بھی شامل ہے جو تارڑ کے منفرد اسلوب کا ثبوت ہے۔ تجسس اور دل چسپی کے عناصر سے پھر پور یہ سفر نامہ مہم جو حضرات، دور دراز مقامات سے آشنائی حاصل کرنے کے خواہش منداور زبان و بیان کے ذائقے سے لطف اندوز ہونے والے قارئین کے لیے ایک تفریحی و معلوماتی سفر نامہ ہے۔''(۱۴)

سفر نیپال کا بیان پہلی مرتبہ ۱۹۹۸ء میں ۳۴۸ صفحات پر ۲۱ عنوانات کے تحت مکمل ہوا۔ تارڑ کی تاریخ سے دل چسپی اور لگاؤ جو تا حال برقرار ہے جو اس سفر نامہ میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ اس کا اندازہ کتاب کے انتساب سے بخوبی کیا جا سکتا ہے جو انھوں نے گندھارا کے مہاتما بدھ کے نام کیا ہے۔

''شمشال بے مثال'' یہ سفر نامہ ۲۰۰۲ء میں شایع ہوا۔ شمالی علاقہ جات سے تارڑ کی محبت و لگاؤ فطری ہے جس کی مثال یہ سفر نامہ ہے جو ۳۷ عنوانات اور ۲۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

''سنولیک'' ۵۰۴ صفحات پر مشتمل یہ سفر نامہ ۲۰۰۰ء میں شایع ہوا۔ یہ سفر نامہ بیافو، ہیسپر جو دنیا کے طویل ترین برفانی راستے ہیں، کے سفر کی داستان ہے۔ اس سفر نامہ کے دوران ہونے والے مشاہدات و تجربات کو انھوں نے ابواب کی صورت دی ہے جن کی مثال اس سے پہلے لکھے گئے سفر ناموں میں دکھائی نہیں دیتی۔ یہ ضخیم ترین سفر نامہ ۶۳ عنوانات اور ۵۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

پاکستانی ادیبوں کا ایک وفد چین کے دورے پر روانہ ہوا جس میں مستنصر بھی شامل تھے۔ اس دوران انھیں جو مشاہدات و تجربات ہوئے انھیں ''پتلی پیکنگ کی'' عنوان سے قلم بند کیا۔ پہلی مرتبہ یہ ۲۰۰۰ء میں شایع ہوا۔ اس سفر نامے کے ۴۳۲ صفحات اور ۴۹ عنوانات ہیں جن کو ۱۹ ابواب کے تحت لکھا گیا ہے۔ اندلس میں اجنبی کی طرح اس میں بھی تاریخی روایت موجود ہے جو مستنصر کا خاصہ ہے۔

متعدد پاکستانی اور غیر ملکی سفر نامہ نگاروں نے ہندوستان کا سفر کیا اور اس حوالے سے اپنے سفر نامے بھی تحریر کیے لیکن تارڑ جیسا سفر نامہ کسی نے نہیں لکھا۔ ہندوستان کے اس سفر میں اصغر ندیم سید بھی ان کے ہمراہ تھے۔ وہ ان کے سفر نامہ نگاری کے حوالے سے اسلام آباد لٹریری فیسٹول میں بتاتے ہیں:

> ''سفر نامے کے حوالے سے میں نے جو ایک تجربہ کیا تارڑ صاحب کے ساتھ، ہم ایک دن تاج محل وزٹ کر رہے تھے۔ ہم دونوں ساتھ تھے، تو ذرا سا آگے بڑھے تو ایک کبوتر ایک گنبد سے اڑ کر دوسرے چھوٹے گنبد پر بیٹھ گیا، تو تارڑ صاحب نے مجھ سے کہا کہ یہ پرندا جو اڑا ہے اس کی یہ اڑان میرے سفر نامے کے بیس صفحے ہیں۔ میں نے کہا کہ

یہ گویا آپ کا پرند ماضی میں اڑان کرے گے، مستقبل میں اڑان کرے گا کہیں تو کرے گا پھر ہی تو بیس صفحے پورے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ ان کا آرٹ ہے کہ کس طریقہ سے تاریخ کو حال سے جوڑنا ہے اور اس کا رشتہ پیدا کرنا ہے۔''(۱۵)

مستنصر درج بالا سفر نامے کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اسلام آباد لٹریری فیسٹول ہی میں بتاتے ہیں:

''اس پرندے کی ایک بات جو خاص ہے وہ تین چار رنگ کا کوئی پرندہ تھا نامعلوم سا۔ بھری دوپہر تھی اور اصغر بھی میرے ساتھ تھے، تو وہ جمنا کی جانب سے بلند ہوا اور اس کے سب رنگ دکھائی دے رہے تھے کہ اس کے پس منظر میں آسمان تھا۔ اس کے بعد وہ جب تاج محل کے آگے آیا پرواز کی تو وہ بالکل سفید ہو گیا۔ اس کے سب رنگ غائب ہو گئے تھے۔ کیوں کہ یہ تاج محل کی سفیدی تھی اس نے اس کے تمام رنگ چوس لیے تھے اور جب وہ آخری گنبد سے پرے ہوا اور ایک مرتبہ پھر پس منظر میں آیا تو وہ پھر سے رنگین ہو گیا تو اصغر نے مجھ سے پوچھا کہ آپ اس کے بارے میں کیا لکھیں گے کیوں کہ لوگوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ میں نے کہا کہ میں اس پرندے کے بارے میں لکھوں گا۔''(۱۶)

تارڑ نے اپنا سفر نامہ ''سنہری اُلو کا شہر'' کے عنوان سے لکھا جو ۲۰۰۱ء میں شایع ہوا۔ یہ سفر نامہ ۳۳ عنوانات کے تحت ۲۷۲ صفحات کو محیط ہے۔ اپنی تاریخ نویسی کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے انھوں نے اس سفر میں بھی تہذیب و تمدن اور ثقافت کو قاری کے لیے پیش کیا ہے۔

''دیو سائی (دنیا کے بلند ترین میدان دیو سائی کے پار)'' دنیا کے بلند ترین میدان کے سفر کی روداد ہے جو ۲۰۰۲ء میں شایع ہوا اور یہ ۳۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

''منہ ول کعبے شریف'' ان کا سفر نامہ حج ہے جو ۲۰۰۴ء میں شایع ہوا اور یہ سفر نامہ ۵۵ عنوانات کے تحت ۴۶۴ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ۳۲ مقامات کا ذکر شامل ہے۔ مستنصر پر ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے سفر ناموں میں خواتین کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کے سفر ناموں میں خوب رو خواتین کا ذکر شامل ہوتا ہے۔ لہذا ان کا قاری ان سے یہ امید نہیں کر سکتا کہ وہ کوئی سفر نامہ حج بھی لکھیں گے۔ صحرا نوردی کی کیفیات سے روح پرور منظر کا بیان لکھنے تک کا سفر انھوں نے بہ آسانی طے کیا۔ صدف مرزا کو انٹرویو دیتے ہوئے مستنصر بتاتے ہیں:

''میں حج کے لیے گیا اور میرا اس وقت سفر نامہ لکھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ میں سمجھتا تھا اور اب بھی یہ سمجھتا ہوں کہ بیش تر لفظ اتنے زیادہ استعمال ہوئے ہیں کہ وہ اپنی حرمت اور اپنے اثرات کھو چکے ہیں اور خاص طور پر تقدیس کے جو لفظ ہیں کہ کس خاص جگہ پر جا کر اپنی کیفیت کو بیان کرنا۔اور وہ لفظ بار بار وہی استعمال ہوتے ہیں کہ میں نے جب پہلی مرتبہ خانہ کعبہ کو دیکھا تو اپنے گناہوں کو یاد کیا اور روح جو وہ پتا نہیں کس کیفیت میں شرابور ہو گئی اور اپنی خوش قسمتی پر نازاں وغیرہ وغیرہ۔تو میں نے سوچا کہ میرے پاس اور لفظ ہوں گے نہیں اس لیے میں وہی لفظ نہیں استعمال کرنا چاہتا تھا۔دوسری بات یہ تھی کہ بھئی ہر آدمی جو ہوتا ہے ایک کمپیوٹر کی طرح ہوتا ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے ہم جو ہمارے کمپیوٹر میں اذان سب سے پہلے فیڈ کی جاتی ہے اور اس کے بعد ہمارا کلچر ،ہمارا مذہب، نمازیں، روزے، عید، بکرا عید ایک پورا کلچر ہے جو فیڈ ہوتا جاتا ہے۔تو مسئلہ یہ ہے بھئی جو میرا کمپیوٹر ہے اس میں اگر بدھ ایزم یا ہندوایزم یا عیسایت یا جوڈاایزم فیڈ ہوتا تو میں وہ ہوتا۔میں یہ چاہتا تھا کہ میں ان جگہوں پر اگر جاؤں تو میرا کمپیوٹر اتنا زیادہ اثر انداز نہ ہو یعنی ایک کمپیوٹرازڈری ایکشن نہ ہو۔یعنی ہم اگر جاتے ہیں خانہ کعبہ کے سامنے تو یہ ایک کمپیوٹرازڈری ایکشن ہے کیوں کہ ہمارے اندر اتنا زیادہ ڈیٹا بھرا ہوا ہے کہ آپ کے یہاں پہنچ کر یہ احساسات ہونے چاہئیں۔۔۔میرا یہ ماننا ہے کہ یہ سب کمپیوٹرازڈ احساسات ہوتے ہیں جس میں انسان کہیں کھو جاتا ہے میری خواہش یہ تھی کہ میں اس سے زرا سا الگ ہو کر اپنے کمپیوٹر سے ان تمام مقامات پر جاؤں کیوں کہ میری وہ سلیٹ میرا وہ کمپیوٹر خالی تو نہیں ہو سکتا اور جس حد ہو سکے میں اپنے آپ کو متوازن رکھوں۔۔۔میں چاہتا تھا کہ جو کچھ مجھ پر وارد ہوتا ہے میں اس کو متوازن ہو کر وصول کروں اور پھر دیکھوں کہ کیا ہوتا ہے تو اس کے بعد میرا خیال نہیں تھا کہ میں یہ لکھوں گا تو اس کے بعد ڈاکٹر علی شریعتی ''حج''ان کی ایک کتاب ہے جس نے مجھے بڑا متاثر کیا۔۔۔تو کیوں نہ میں یہ تجربات شیئر کروں کیوں کہ کچھ ان تجربات کو پڑھ کر حج کے لیے جائیں تو یہ ان کے لیے بہتر ہو گا۔اس لیے میں نے یہ سفر نامہ لکھا۔''(۱۷)

تارڑ کے سفر ناموں پر گو پنجابی زبان کے اثرات موجود ہیں مگر یہ اردو میں لکھا گیا ان کا واحد سفر نامہ ہے جس کا عنوان پنجابی میں ''منہ ول کعبے شریف'' ہے۔اس ضمن میں مستنصر بیان کرتے ہیں:

''بہت سارے لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ اس کا نام پنجابی میں کیوں ہے ؟تو پنجابی میں اس لیے ہے کہ میری جو نانی اماں نے مجھے، نانی اماں نہیں کہنا چاہیے نانی جان نے ہم انھیں ''بے بے جی'' کہا

کرتے تھے تو ''بے بے جی'' نے مجھے نماز سیکھائی تھی۔جو بنیادی نماز کا طریقہ ہے۔جب ہم چھوٹے ہوتے تھے وہ نیت کرواتے ہوئے کہتی ہوتی تھیں کہ اچھا کہو کہ اتنے رکعت نماز ''منہ ول کعبے شریف'' تو میں پنجابی میں ہی نیت کرتا ہوں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب تک مادری زبان میں نیت نہ کی جائے وہ نیت پوری نہیں ہوتی، کھوٹی نیت ہوتی ہے۔اس لیے چوں کہ میرا منہ کعبے شریف کی طرف تھا تو وہ پنجابی میں ہی ''منہ ول کعبے شریف'' ہو سکتا ہے۔''(۱۸)

نبی اکرم حضرت محمد ﷺ سے محبت اور عقیدت ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے۔ آپ ﷺ کے زمانے کی اکثر یادگاریں اب ختم ہو چکی ہیں بس دو غار ہی باقی ہیں جن میں آپ ﷺ نے سانس لیا اور وقت گزارا۔ مستنصر بھی آپ ﷺ سے محبت و عقیدت کے جذبے سے سرشار ہیں یہی وجہ ہے کہ انھوں نے غارِ حرا میں ایک رات گزاری کہ وہ محسوس کر سکیں کہ آپ ﷺ اس وقت کس کیفیت میں ہوتے ہوں گے۔ان کی بڑی خواہش تھی کہ وہ ایسا کر سکیں پھر ایک دن انھیں یہ موقع میسر آ گیا جو ان کے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں ہے۔اس تجربے کو اپنے قارئین کے لیے انھوں نے ''غارِ حرا میں ایک رات'' کے عنوان سے تحریر کیا جو ۲۰۰۴ء میں شایع ہوئی۔یہ کتاب ۱۸ عنوانات اور ۲۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔غارِ حرا میں ایک رات ان کی سب سے منفرد اور مختلف کتاب ہے اور یہ پہلی کتاب ہے جس میں وہ عقیدت و محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔وہ اس کتاب کے حوالے سے بتاتے ہیں:

''میں بہت جھجکتا تھا اس کے بارے میں کیوں کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں کہ میں اپنے عشق کا اعلان اس طرح نہیں کیا کرتا لیکن میرا ایک ربط ہے رسول ﷺ کے ساتھ، بنیادی طور پر میں نے سفر نامہ لکھنے کے لیے وہ رات نہیں گزاری۔اس قربت کے لیے رات گزاری جس کی مجھے خواہش تھی۔ جب میں سعودی عرب گیا ہوں تو مختلف تحریروں میں میری خواہش ہوتی تھی کہ جہاں رسول ﷺ کے قدم پہنچے میں بھی وہاں جاؤں، عبادات کی طرف زیادہ دھیان نہیں تھا، چناں چہ میں طائف بھی گیا ہوں، طائف میں انگوروں کا وہ باغ بھی دیکھا ہے، انگور کی بیل بھی جہاں تھی جس کے سایے میں آپ ﷺ نے آرام کیا تھا اور ان کے پاؤں سے خون بہہ رہا تھا عین اس مقام پر بھی گیا ہوں وغیرہ وغیرہ تو کہنا میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ بھی اسے سلسلے کی ایک کڑی تھی۔کیوں کہ میں نے یہی کیلکولیٹ کیا کہ اس زمانے کی کوئی یادگار اسی طرح محفوظ نہیں ہے۔ صرف ایک غار یہ یا غارِ ثور ہے لیکن غارِ ثور میں آپ ﷺ نے مختصر قیام کیا تھا اور یہاں آپ ﷺ بہت زیادہ آیا کرتے تھے تو یہ اس قربت کی خواہش تھی کہ بھئی میں

کسی طرح کچھ محسوس کر سکوں وہاں جا کر اور ان دنوں چاند کی تقریباً وہی راتیں تھیں۔ جب اقراء کی وحی نازل ہوئی تو ایک جو خیال ہے کہ غارِ حرا میں جو درزیں تھی جن میں سے چاندنی میرے بدن پر پڑ رہی تھی۔ چاند کے غروب ہونے کا سفر میں آہستہ آہستہ دیکھ رہا تھا اور میں محسوس کر رہا تھا کہ آج سے چودہ سو برس پیشتر جو ہستی یہاں موجود تھی ان کے بدن کے انھی حصوں پر اس چاند کے جزیرے ہوں گے جو آج میرے بدن پر ہیں۔ یہ ایک ایسا احساس ہے جس کو میں بیان نہیں کر سکتا۔''(۱۹)

''برفیلی بلندیاں'' شمالی علاقہ جات کے سفر ناموں کے سلسلے میں ایک اور اضافہ ہے۔ یہ کتاب ۲۰۰۴ء میں شایع ہوئی اور ۴۴۰ صفحات کو محیط ہے۔ یہ سفر نامہ دو حصوں میں مکمل ہوا ہے جس کا پہلا حصہ ''فیئری میڈو اور نلتر پکھوراٹریک'' اور دوسرا حصہ ''ہوشے سے درہ کندو گورو کے بیس کیمپ تک اور لیلےٰ پیک'' کے متعلق ہے۔

وادی کاغان اور آزاد کشمیر کے سفر کی روداد انھوں نے ''رتی گلی'' کے عنوان سے ۲۰۰۵ء میں شایع کی۔ یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ ''رتی گلی ۱۹۵۶ء'' دوسرا حصہ ''رتی گلی ۲۰۰۳ء'' تیسرا حصہ ''ناران کاغان ۱۹۶۳ء'' چوتھا حصہ ''رتی گلی ۲۰۰۳ء'' کے اور چالیس عنوانات ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

''کالاش'' وادی کافرستان کا سفر نامہ ہے۔ یہ سفر نامہ ۲۰۰۵ء میں شایع ہوا۔ مستنصر نے اپنی سابقہ روایات سے ہٹ کر اس سفر نامے کو ڈرامائی انداز میں تیرہ اقساط میں تقسیم کر کے لکھا ہے۔ سفر نامہ کی پیش کش کچھ اس انداز سے ہے جیسے کوئی حقیقی ڈراما ہو جس کے ہر منظر کے اختتام پر ہدایت کار کٹ (Cut) کہتے ہی سین کو مکمل ہونے کا اشارہ کرتا ہے۔ ان کے اسلوبِ تحریر نے اسے سفر نامے کو حقیقی ڈرامے کا روپ عطا کیا ہے۔

مستنصر کو نصف صدی بعد روس کے سفر کا اتفاق ہوا۔ اب کی بار وہ کسی ادبی پروگرام میں شرکت کی غرض سے روس گئے تھے۔ اپنے اس سفر کو انھوں نے ''ماسکو کی سفید راتیں'' کے عنوان سے لکھا اور ۲۰۰۸ء مکمل ہو کر شایع ہوا اور ۳۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس دل چسپ اور ماضی کی یادداشت کو تازہ کر دینے والے سفر کی روداد کو انھوں نے ۲۹ عنوانات کے تحت اپنے منفرد اسلوب میں ڈھال کر بیان کیا ہے۔

سلجوق تارڑ، مستنصر کے بڑے بیٹے ہیں جو یو این او میں پاکستان کے سفیر کے طور پر متعین رہے اور ان کی بیٹی بھی امریکہ میں مستقل رہائش پذیر ہیں۔اس لیے ان کا سفر امریکہ اکثر و بیش تر ہوتا رہتا ہے۔اس سفر کے احوال انھوں نے ''نیو یارک کے سورنگ'' کے عنوان سے لکھے جو ۲۰۰۹ء میں شایع ہوا۔یہ سفر نامہ تین حصوں، ۳۸ عنوانات اور ۶۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

''الاسکا ہائی وے'' یہ سفر نامہ ۲۰۱۱ء میں شایع ہوا جو ۲۷ عنوانات اور ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔اس سفر نامے میں امریکہ اور کینیڈا کے سفر کی داستان ہے جس میں انھوں نے ''کونج'' کو بہ طور علامت استعمال کیا ہے جو ان سے دوران سفر ہم کلام ہوتی ہے۔

''ہیلو ہالینڈ'' یہ سفر نامہ ہالینڈ کے سفر کی روداد ہے جو ۲۰۱۱ء میں شایع ہوا۔یہ ۳۳ عنوانات اور ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔اس سفر نامے میں انھوں نے اپنے مشاہدات و تجربات کو بیانیہ انداز میں قلم بند کیا ہے۔

''لاہور سے یارقند'' سنکیانگ چینی ترکستان کی طویل مسافتوں کا بیان ہے۔یہ سفر نامہ ۲۰۱۴ء میں شایع ہوا۔اس سفر نامہ میں میمونہ بیگم بھی ان کے ہم راہ تھیں۔عوامی جمہوریہ چین نے انھیں اور میمونہ بیگم کو سرکاری دورے پر مدعو کیا جو مشاہد حسین سید کی تنظیم ''پاکستان چائنا انسٹی ٹیوٹ'' کی معاونت سے پورا ہوا۔یہ دس حصوں اور ۶۱ ذیلی عنوانات کے تحت ۳۶۰ صفحات پر مشتمل طویل سفر نامہ ہے۔

''راکاپوشی نگر'' ۲۳۲ صفحات پر مشتمل ہے۔محیر العقول واقعات اور مناظر سے پھر پور یہ سفر نامہ ۲۰۱۵ء میں شایع ہوا۔

''امریکہ کے سورنگ'' ۲۰۱۵ء میں شایع ہوا۔یہ امریکہ کے سفر کی دوسری روداد ہے جو انھوں نے قارئین کے لیے پیش کی۔

''آسٹریلیا آوارگی'' ۲۰۱۶ء میں شایع ہوا۔یہ آسٹریلیا کے سفر کی روداد ہے جو ۳۷ عنوانات اور ۱۸۸ صفحات کا مختصر سفر نامہ ہے۔

سفر سندھ کے ''اور سندھ بہتا رہا'' ۲۰۱۶ء میں شایع ہوا۔دریائے سندھ سے مصنف کی پرانی رفاقت ہے جس کا اندازہ کتاب کے انتساب سے لگایا جاسکتا ہے ''شیر دریا سندھ کے نام جو میری تہذیب کا

بہاؤ ہے جو کسی سمندر میں نہیں میرے دل میں اترتا ہے۔''سندھ سے اپنی محبت کا اظہار انھوں نے اس سفر نامے کی صورت کیا جو ۴۲ عنوانات اور ۱۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

''پیار کا پہلا پنجاب'' یہ کتاب ان نو دنوں کے سفر کی داستان ہے جو ۲۰۱۷ء میں شایع ہوئی ۔ یہ نو دنوں کے عنوانات کے تحت ۳۲۰ صفحات کو محیط ہے۔اس سفر کے دوران مصنف نے پنجاب کے مختلف شہروں میں گزارے نو دن اور ان سے حاصل مشاہدات کو قارئین کے لیے اس کتاب میں سمیٹا ہے۔

''حرا موش ناقابل فراموش'' شمالی علاقہ جات کے سلسلے کا ایک اور سفر نامہ جو ۲۰۱۷ء میں شایع کیا۔اس سفر نامے کے ۴۹ عنوانات ہیں اور یہ ۲۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

مستنصر کا بچپن، جوانی اور بڑھاپا لاہور میں ہی گزرا ہے۔اس لیے انھیں لاہور سے خاص محبت ہے جس کا اظہار ان کے سفر نامہ ''لاہور آوارگی'' سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔یہ سفر نامہ ۲۰۱۷ء میں شایع ہوا۔یہ سفر نامہ بھی ان کی سابقہ روایات کا امین ہے جس میں تاریخ سے ان کے لگاؤ کو دیکھا جاسکتا ہے۔

مستنصر ایک ہمہ جہت شخصیت ہیں۔وہ سفر نامہ نگار ہی نہیں ہیں بل کہ مزاح نگار اور کالم نویس بھی ہیں۔وہ خط جو ان کے ہم عصر مزاح نگاروں شفیق الرحمن، کرنل محمد خان اور محمد خالد اختر نے انھیں لکھے وہ انھوں نے ''خطوط'' کے عنوان سے شایع کر دیے۔اس صنف ادب میں انھوں نے درج ذیل یادگار کتابیں اردو ادب کو دان کی ہیں۔ شفیق الرحمن، کرنل محمد خان اور محمد خالد اختر جیسے مزاح نگار نہ صرف ان کے ہم عصر رہے بل کہ ان سے ذاتی روابط بھی تھے۔ان کا اثر چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی مستنصر کی مزاح نگاری پر ہوا۔

''کارواں سرائے'' ۱۹۹۴ء میں شایع ہوئی۔یہ کتاب تیس عنوانات کے تحت لکھی گئی ہے اور ۱۷۶ صفحات پر مشتمل ہے جس میں انھوں نے زندگی میں پیش آئے مختلف واقعات کو قلم بند کیا ہے۔

''چک چک'' کے عنوان سے ان کی مزاح پر مبنی کتاب ۲۰۰۳ء میں شایع ہوئی۔جس کا انتساب انھوں نے اپنے بڑے بیٹے سلجوق کے نام کیا ہے۔اس کتاب میں ۵۸ مضامین ہیں اور یہ ۳۱۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ان کے اسلوب کا اندازہ کتاب کے اسلوب سے بہ خوبی کیا جاسکتا ہے:

''ہائے ہائے چودھری یہاں شکار کے لیے آنا چاہیے۔ہوتی ناں بندوق تو ایک ہی فائر سے ان کا کام تمام کر دیتا اور پھر انھیں پکایا جاتا ہلکی آنچ پر اور پھر ان کے بھنے ہوئے گوشت میں اٹھتی خوشبوئیں اور

ہم یار و کھاتے اور ساتھ ہی لگی ہوتی کیسٹ ''سن وے بلوری اکھ والیا'' شاہ جی چٹخارے لیتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''یہ بطخ حلال ہوتی ہے ؟افضال نے پوچھا۔

''لو حلال کیوں نہیں ہوتی'' شاہ جی بولے ''بالکل حلال ہوتی ہے''

اس دوران ایک بطخ نے پر پھیلائے اور اڑنے لگی۔

''لو اگر یہ بطخ ہے تو اڑتی کیسے ہے ؟زیدی صاحب نے سر ہلایا۔

''ناں آپ بطخ کو روک سکتے ہیں کہ نہ اڑے یہ ایک آزاد ملک ہے جس کا جو جی چاہے کرے۔۔۔بے شک آپ بھی اڑنے لگو۔''(۲۰)

''گزارا نہیں ہوتا''مزاح نگاری کی روایت کی اگلی کتاب جو ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔یہ ۶۱ مضامین اور ۳۰۸ صفحات کی ضخیم کتاب ہے۔کتاب کا انتساب سنگ میل پبلی کیشنز کے نیاز احمد کے نام ہے جو اکثر و بیشتر ان کے ہم راہ ہوتے۔

''بے عزتی خراب'' کے نام سے طنز و مزاح پر مبنی کتاب ۲۰۰۵ء میں شایع کی۔ اس کتاب میں کل ۵۹ مزاحیہ مضامین ہیں جو ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔

''گدھے ہمارے بھائی ہیں'' ۲۰۰۶ء میں شائع ہوئی جس میں ۳۵ مضامین شامل ہیں اور یہ کتاب ۱۶۰ صفحات پر محیط ہے۔

''ہزاروں ہیں شکوے''۲۰۰۶ء میں ہی شائع ہونے والی ان کی طنز و مزاح پر مشتمل دوسری کتاب ہے۔یہ ضخیم کتاب ۶۳ مضامین اور ۳۷۱ صفحات پر مشتمل ہے۔

''اُلو ہمارے بھائی ہیں''پہلی مرتبہ ۲۰۰۷ء میں منظرِ عام پر آئی۔یہ بھی ۶۳ مضامین اور ۲۷۲ صفحات پر مشتمل کتاب ہے۔

''شتر مرغ ریاست'' یہ ۲۰۰۷ء میں ''اُلو ہمارے بھائی ہیں'' کے ساتھ ہی شایع ہوئی۔یہ کتاب ۳۹ مضامین اور ۱۹۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

مستنصر مختلف اخبارات سے منسلک رہے اور انھوں نے اخبارات کے لیے کالم بھی لکھے جن کو انھوں نے چھ مجموعوں کی صورت میں یک جا کر کے شایع کر دیا ہے۔ان مجموعوں میں ایک انگریزی جب کہ باقی پانچ اردو میں ''تارڑ نامہ'' کے عنوان سے شایع ہو چکے ہیں۔

''تارڑ نامہ'' کالموں کا پہلا مجموعہ ۲۰۰۹ء میں شایع ہوا۔اس کی تقریب رونمائی ''کراچی لٹریری فسٹیول'' کے دوران کی گئی۔ یہ ضخیم مجموعہ ۱۰۳ کالم اور ۴۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

''تارڑ نامہ ۲'' کے عنوان سے ان کا دوسرا مجموعہ ۲۰۱۲ء میں شایع ہوا۔اس مجموعہ کا انتساب انھوں نے عظیم مزاح نگار محمد خالد اختر کے نام کیا ہے۔اس میں ۹۴ مضامین ہیں اور ۳۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ان کالموں میں انھوں نے اس زمانے میں پیش آئے اہم واقعات کو قلم بند کیا ہے۔

''تارڑ نامہ ۳'' کالموں کا تیسرا مجموعہ ہے جو ۲۰۱۲ میں شایع ہوا۔ یہ مجموعہ ۱۰۴ کالموں اور ۳۷۰ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ''ماڈل ٹاؤن دھماکے کی صبح اور پرندے''، ''بانو قدسیہ اور قلم سے خودکشی''، ''اسامہ کی موت۔۔ فلوریڈا میں''، ''موت کا ایک دن معین اختر ہے'' اور ''بو برال۔ جمیل فخری اور بدیع الزماں کی موت'' جیسے کالم شامل ہیں۔

''تارڑ نامہ ۴'' مستنصر کے کالموں کا چوتھا مجموعہ ہے جو ۲۰۱۴ء میں شایع ہوا۔ یہ مجموعہ ۶۸ کالم اور ۳۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔اس مجموعے کے اہم عنوانات یہ ہیں: ''ایدھی صاحب۔اندھیرے میں روشن چراغ''، ''ایک نیا اور شان دار اقبال''، ''عمران خان اور پنجاب یونیورسٹی کا کوفہ''، ''جی پی او چوک کا مقتل'' اور جمیلہ ہاشمی،ایک آتش رفتہ'' وغیرہ۔

ان کے کالموں پر مشتمل پانچواں مجموعہ ''تارڑ نامہ ۵'' کے عنوان سے ۲۰۱۴ء میں شایع ہوا۔ یہ مجموعہ ۶۷ کالموں اور ۳۶۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ''اسرائیلی بلی کے بچے کی تدفین''، ''اسلام آباد میں باہر والے''، ''افغانستان کتنا پیارا ملک ہے''، ''اقبال بانو، دشت تنہائی میں''، سری لنکا کے مہمانوں کی آؤ بھگت''، ''ارفع کی موت اور درندے زندہ ہیں'' اور منشا کی یاد میں'' جیسے اہم کالم اس مجموعے میں شامل ہیں۔

''Dairy of a Vagabond'' کے عنوان سے انگریزی کالموں کا مجموعہ ہے جو ۲۰۱۸ء میں شایع ہوا۔ڈان نیوز میں شایع ہونے والے مستنصر کے کالموں کو ایک کتاب میں اکٹھا کر کے قارئین کے لیے پیش کیا گیا ہے۔

مستنصر کا اپنے ہم عصر مزاح نگاروں بالخصوص شفیق الرحمن، کرنل محمد خان اور محمد خالد اختر شامل سے خصوصی روابط تھے۔ان کے درمیان خط کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا لیکن ان میں سے

بہت سے خطوط ایسے ہیں جو وقت کی گرد میں گم ہوگئے۔ باقی ماندہ خطوط کو اکٹھا کر کے تارڑ نے ''خطوط (شفیق الرحمن، کرنل محمد، محمد اختر)'' کے عنوان سے ۲۰۱۲ء میں شایع کر دیے۔

مستنصر حسین تارڑ کو ان کی ادبی و صحافتی خدمات کے اعتراف میں دنیائے ادب کی جانب سے مختلف اعزازات و امتیازات سے نوازا گیا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہیں:

- ستارہ امتیاز ''برائے ادب'' ۲۰۱۸ء حکومت پاکستان
- صدر اتی تمغہ حسن کارکردگی (ادب/ذرائع ابلاغ) ۱۹۹۲ء
- وزیر اعظم ادبی ایوارڈ بہ طور ناول نگار (راکھ) ۱۹۹۸ء
- اکادمی ادبیات کا ''ہجرۃ ایوارڈ'' صدرِ پاکستان کی جانب سے ملا
- ڈاکٹر مولوی عبدالحق ایوارڈ بہ طور سفر نامہ نگار (نانگا پربت)
- لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ (۲۰۰۲ء) مجلس فروغ اردو ادب دوحہ (قطر) کی جانب سے
- سلیم جعفری انٹرنیشنل ایوارڈ (۲۰۰۳ء) مجلس فروغ اردو ادب دوحہ (قطر) کی جانب سے
- ''حکیم سعید شہید لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ'' ہمدرد پاکستان کراچی (۲۰۲۰ء)
- ماسکو یونیورسٹی کی جانب سے تحقیق اور ادب پر خصوصی گولڈ میڈل

اس کے علاوہ درج ذیل ادبی و ثقافتی اعزازات سے بھی سرفراز ہوئے:

- حلقہ اربابِ ذوق کے سابق منتخب سیکرٹری رہے
- کھٹمنڈو نیپال میں یونیسف سیمینار میں پاکستان کی نمائندگی کی
- چین کے دورے پر جانے والے پاکستانی ادیبوں کے وفد میں شامل تھے
- پنجاب ٹورزم ڈویلپمنٹ کارپوریشن اور پاکستان ٹورزم ڈویلپمنٹ کارپوریشن کے بورڈ آف گورنرز کے رکنیت
- الحمرا آرٹس کونسل لاہور کے بورڈ آف گورنرز کے رکنیت
- آپ کی تخلیقات کئی پاکستانی اور غیر ملکی جامعات کے نصاب میں شامل ہیں

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) ڈاکٹر عطیہ رئیس، غیر افسانوی نثر اردو (مابعد آزادی)، دہلی: ایم آر پبلی کیشنز انڈیا، ۲۰۰۸ء، ص۰۹
(۲) ڈاکٹر عطیہ رئیس، غیر افسانوی نثر اردو (مابعد آزادی)، دہلی: ایم آر پبلی کیشنز انڈیا، ۲۰۰۸ء، ص۱۱
(۳) مستنصر حسین تارڑ، انٹرویو، لاہور، بمقام ماڈل ٹاؤن پارک تکیہ تارڑ، ۰۲ فروری ۲۰۲۰ء
(۴) نورالحسن، انٹرویو www.youtube.com/watch?v=LrahlW2UnEK
(۵) www.humsub.com.pk/13143
(۶) ایضاً
(۷) سلمیٰ اسلم کشمیری، مستنصر حسین تارڑ کے سفر ناموں میں تکنیک کے تجربات (تحقیقی و تنقیدی جائزہ)، پشاور: مخزونہ جامعہ پشاور، ص۳۲
(۸) فرزانہ سید، نقوش ادب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲، ص۴۹۸
(۹) مستنصر حسین تارڑ، سفر شمال کے، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، ص۱۱
(۱۰) عظمیٰ اختر شمالی علاقہ جات کے سفر نامے، مشمولہ ماہی الزبیر سفر نامہ نمبر، بہاول پور: اردو اکادمی، ۱۹۹۸ء ص۴۶۵
(۱۱) ایضاً، ص۴۶۶
(۱۲) ایضاً، ص۴۶۵
(۱۳) مستنصر حسین تارڑ، یاک سرائے، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء، ص۱۱
(۱۴) عظمیٰ اختر شمالی علاقہ جات کے سفر نامے، مشمولہ ماہی الزبیر سفر نامہ نمبر، بہاول پور: اردو اکادمی، ۱۹۹۸ء ص۴۶۵۔۴۶۶
(۱۵) اصغر ندیم سید، انٹرویو www.youtube.com/watch?v=BHU319YSZvA
(۱۶) ایضاً
(۱۷) صدف مرزا، انٹرویو www.youtube.com/watch?v=WlglYCCW9q
(۱۸) مستنصر حسین تارڑ، انٹرویو ۰۲ فروری ۲۰۲۰ء بمقام ماڈل ٹاؤن پارک تکیہ تارڑ، لاہور
(۱۹) آصف فرخی، انٹرویو www.youtube.com/watch?v=mMmeumjYj4
(۲۰) مستنصر حسین تارڑ، چک چک، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص۱۱

❖❖❖